صلحِ امام حسن علیہ السلام

حجۃ الاسلام مولانا سید فدا حسین بخاری

صلح کی لفظ سنتے ہی جو معنی فوری طور پر ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ اب فریقین (متخاصمین) کے درمیان تنازع نہیں رہا، صلح ہوگئی ہے۔ وہ اب دوست بن گئے ہیں، شیر وشکر ہوگئے ہیں، لیکن یہ معنی عمومی وسطحی ہے۔ ذرا غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ہر صلح کے یہ معنی نہیں ہوتے۔ پہلے یہ دیکھنا پڑے گا کہ تنازع کس قسم کا ہے؟ کس کس کے درمیان ہے اور کن امور میں ہے؟

بعض دفعہ ٹکراؤ دو مادی شخصیتوں کے درمیان اور بعض دفعہ الٰہی شخصیت اور دنیا طلب شخصیت کے درمیان ہوسکتا ہے۔ کبھی تنازع ملکوں کے درمیان ہوتا ہے، ان کے اپنے اپنے قومی مفادات ہوتے ہیں۔ کبھی دو ہمسایہ ملکوں کے درمیان زمین، دریا یا بعض اور امور جھگڑا اور جنگ ہوتی ہے۔ کبھی دو مکاتب فکر کے درمیان کسی موضوع پر علمی بحث ومباحثہ ہوتا ہے، علمی اختلاف ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ان تمام مذکورہ امور میں صلح کے معنی یکساں نہیں ہوں گے۔

الٰہی شخصیت اپنے امور میں خداوند عالم کو نظر میں رکھے گی اور مادی شخصیت اکثر اوقات دنیا کو اپنا مطمع نظر بنائے رکھتی ہے۔ اگر ان کے درمیان کسی امر میں تنازع کے بعد صلح ہو تو ظاہر ہے کہ ایسا ہی راستہ ہوگا جس میں دونوں کے مقاصد کسی حد تک پورے ہوجائیں۔ دو شخصیتوں کی صلح اور ہوگی اور دو ملکوں کے درمیان صلح کی نوعیت اور ہوگی، اسی دو مکاتب فکر کا کسی مسئلے پر اتفاق و صلح کے معنی کچھ اور ہوں گے۔ مثال کے طور پر عراق و ایران جنگ ۸ سال تک جاری رہی، جس میں لاکھوں انسان مارے گئے، کتنے بے گناہ شہید ہوئے، کتنے اسیر ہوئے، کتنا نقصان ہوا، عراق کی قیادت صدام جیسا فرعون وقت کر رہا تھا، جس نے ایران پر جنگ مسلط کی اور ایران کی قیادت، امام خمینیؒ جیسی الٰہی شخصیت کے ہاتھوں میں تھی۔ آٹھ سال کی جنگ کے بعد اقوام متحدہ کی قرارداد کو زہر کا پیالہ کہہ کر امام راحل نے منظور کیا اور اس طرح جنگ رک گئی اور کہا جانے لگا کہ عراق وایران میں صلح ہوگئی، اس طرح جنگ بندی کو بھی صلح کہا جاتا ہے۔

پاکستان اور ہندوستان کے مابین کئی جنگیں ہوئیں، اب جنگ نہیں ہے، سفارتی تعلقات بحال، رفت وآمد جاری، صلح وامن ہے، لیکن باوجود اس کے، بہت سی چیزوں میں ابھی اختلافات ہیں۔

پس صلح کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ تمام امور صلح ہوگئی ہے اور کسی قسم کا اختلاف نہیں رہا ہے یا یہ کہ دونوں فریق حق پر ہیں۔

سب سے بڑی مثال ہمارے سامنے "صلح حدیبیہ" کی ہے۔ جس میں رسول پاکؐ نے مشرکین مکہ سے معاہدہ کیا کہ دس سال تک جنگ نہیں کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ تو کیا اس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ مشرکوں کے ساتھ صلح ہوگئی تھی تو کوئی تنازع باقی نہیں رہا تھا، ایسا ہرگز نہیں۔ اس بات کا کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کرتا، بلکہ اس کے بعد ۸ ہجری میں کفار مکہ کا عہد نامہ توڑنے کی صورت میں لشکر اسلام نے مکہ فتح کیا، ان مثالوں سے یہ بات روشن ہوگئی کہ صلح کا مطلب یہ نہیں کہ فریق ثانی حق پر ہے، بلکہ کبھی اہم مقاصد کے حصول کے لئے یہ حکمت عملی اپنانا پڑتی ہے۔

اسلام امن وسلامتی کا دین ہے

اصل اوّلی تو صلح ودوستی ہے اور اسلام میں جبر واکراہ نہیں ہے، دین فطرت کو فطری طریقوں سے ہی ترقی دی جاسکتی ہے اور وہاں جو دین کے راستے میں رکاوٹ ہوں اور سنگ گراں، ان کے ہٹانے کے لئے جہاد کا حکم ہے اور اگر اس طرح ہدف تک پہنچنا مؤثر نہ ہو تو صلح کے دروازے سے داخل ہونا پڑتا ہے۔

رسول کریمؐ کی حیات طیبہ میں ان دونوں چیزوں کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ حضورؐ نے بدر واُحد وخندق اور حنین میں جنگ کی اور جب ایسے حالات پیش آئے کہ جن میں فتح کی اُمید نہیں تھی، ناگزیر دشمنان اسلام سے صلح کا معاہدہ کیا، تاکہ اس فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کی پیشرفت کے لئے اقدام کیے جائیں، قرآن مجید نے اس کو فتح مبین قرار دیا ہے۔

پس جس طرح رسول کریمؐ نے اعلیٰ مصلحت کے تحت کہ جو اس وقت بھی بعض اصحاب کی سمجھ سے بالاتر تھی، کفار وقریش کے ساتھ صلحنامہ لکھ دیا، اسی طرح امام حسن مجتبیٰؑ جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام ورہبر تھے اور تمام جہات سے حالات کو بہتر سمجھ رہے تھے، اپنی خاص دور اندیشی کو بروئے کار لاتے ہوئے، امیر شام کے ساتھ اس کی طرف سے پیش کردہ صلح کی تجویز کو قبول کرلیا اور اس طرح مسلمانوں کے درمیان خون ریزی کو روک رسول کریمؐ کی حدیث مبارک پر مہر تصدیق ثبت کردی، جس میں آنحضورؐ نے فرمایا تھا: "اَلحَسَنُ وَالحُسَینُ اِمامانِ قاما اَو قعدا" یہ دونوں میرے بیٹے حسن اور حسین امام ہیں، خواہ قیام کریں (جنگ کریں) خواہ وہ صلح کرکے بیٹھ جائیں۔

اجمالی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام حسنؑ نے درحقیقت صلح نہیں کی، بلکہ ان پر صلح تحمیل ہوئی، یعنی ایسے حالات اور شرائط داخلی اور خارجی طور پر پیش آئے کہ امام کے صلح کے علاوہ چارہ ہی نہیں تھا۔ امامؑ کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو یہی کرتا جو امام حسنؑ نے کیا۔ اس مختصر

: اس مختصر مقالے میں ہم وہ عوامل اور محرکات بیان نہیں کر سکتے جن کی وجہ سے امامؑ کو صلح کرنا پڑی، البتہ صلح کی قرار داد میں جو شرائط تحریر ہوئیں اور انہیں مختلف اسلامی مؤرخین نے اپنی اپنی کتابوں میں ثبت کیا ہے.

منجملہ علامہ ابن حجر مکی، صاحب صواعق محرقہ اور صباغ مالکی، صاحب فصول المہمۃ تحریر کرتے ہیں

قرار واد کا متن

۱۔ حسن بن علی حکومت کی باگ ڈور معاویہ کے حوالے کرتا ہے، بشرطیکہ معاویہ حکومت قرآن وسنت رسول کے مطابق چلائے گا.۲۔ یہ کہ معاویہ کو اپنے بعد جانشین نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا، معاویہ کے بعد حقِ حکومت حسن بن علیؑ کو ہوگا، اگر انہیں کوئی حادثہ پیش آجائے تو حکومت کے امور حسین بن علیؑ کے پاس جائیں گے.

۳۔ یہ کہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالبؑ پر سب ولعن کی بدعت کو ختم کیا جائے گا اور ان کا نام مبارک خیر ونیکی کے ساتھ لیا جائے گا.۴۔ یہ کہ شام وعراق ویمن وحجاز سب جگہ کے لوگوں کے لئے امان ہوگی. معاویہ، حسن بن علیؑ اور ان کے بھائی حسین بن علیؑ اور کسی بھی خاندان رسول کے فرد کو نقصان نہیں پہنچائے گا اور نہ ہی ان کی جان لینے کی کوئی کوشش خفیہ یا اعلانیہ ہوگی.۵۔ یہ کہ کوفہ کے بیت المال میں موجود رقم معاویہ کے حوالے نہیں کیا جائے گا اور وہ امام حسنؑ کی زیرنگرانی مصرف ہوگی ونیز خراج دارا بگرد مبلغ ایک ملین درھم، جنگ جمل وصفین میں امیر المومنینؑ کے لشکر میں جنگ کرنے والے شہداء کے لواحقین میں تقسیم ہوگا.۶۔ تمام شیعیان ویاران علیؑ جو معاویہ کے خلاف لڑتے رہے، ان کی جان ومال وناموس کی حفاظت ہوگی اور کسی ایک کو تحتِ تعقیب قرار نہیں دیا جائے گا.

یہ معاہدہ ۲۵ ربیع الاول ۴۱ھ کو منعقد ہوا بعض رؤسائے عرب نے بھی اس پر دستخط کیے، معاویہ نے بھی دستخط کیے تھے اور عہد کیا تھا کہ اس پر عمل ہوگا.